طفیل دارا،عبدالوحیداور نغمانہ شیخ کی نظم نگاری میں پاکستانی ثقافتی عناصر کا جائزہ

طارق محمود[1]،ڈاکٹر رابعہ سرفراز**

Abstract:

Literature is the source of certified expansion and transferance of cultural elements. Poems are a source of the representation of culture on thebasis of its wealth and depth Poetry has a deep relation on worth the soil of subcontinent. Poem is the most suitable source of the representation of society with regard to composition and structure . Tufail Dara,Abdul Waheed and Naghmana Sheikh have used Composition andallusions beautifully in Composing Poems. They analyses all the aspects of life keendly. They are the ambassider of optimism. They have moulded optimism into the form of verses by connecting National life to theinsight and intuition. They are well aware of the importance of relations.They equalize friendship and blood relations. They embellishes friendship with love, sincerity sacrifice. They seems to be successful to explatiate Pakistani civilization and culture with reference to the Poems. They may be regards as the true and sincere.The art of composing ode is enriched with Social and Cultural values.

پاکستانی معاشرہ نے آغاز و ارتقا مینبہت نشیب و فراز دیکھے ہیں۔ ثقافتی شناخت کے حوالے سے شعرا کرام کا کردار اہم ہے۔ غزل اور نظم بیسویں صدی کے آخری عشروں میں متوازی پروان چڑھتی نظرآتی ہیں۔ حالانکہ نظم غزل کی نسبت ثقافت کے اظہار کا موزوں آلہ ہے کیونکہ ان کے عنوانات مفہوم و مضمون کیبہترین غماضی کرتے ہیں خاص طور پر اس کے پس منظر کو بڑی فوقیت حاصل ہے۔

پاک بھارت جنگ ستمبر ۱۹۶۵ کے حوالے سے ہماری شاعری میں پاکستانی ثقافت کے عناصر نمایاں نظر آتے ہیں۔ طفیل دارا نے محمدؐ کا سپاہی، عصمت، مریم، خیبر، حیدر، لاہور، بھٹی، سنت، توپ اور شہید جیسی تراکیب اورتلمیحات کے استعمال سے ہماری ثقافت کے خدوخال اُجاگر کیے ہیں۔ وہ لکھتے ہیں:

خیبر ہو کہ لاہور حیدرؓ ہو کہ بھٹی
ہر رنگ میں فاتح ہے محمدؐ کا سپاہی
اے ابن علیؓ! ہم تری سنت نہیں بھولے
پھر خون مسلمان سے علی حق کی گواہی!

آزادی کی قیمت ہی شہیدوں کا لہو ہے
ہم اپنے شہیدوں کا لہو دے بھی چکے ہیں

---

[1]پی ایچ ڈی سکالر (اردو)گورنمنٹ یونیورسٹی فیصل آباد
**ایسوسی ایٹ پروفیسر (شعبہ اردو) گورنمنٹ کالج یونیورسٹی فیصل آباد

ہم اپنے شہیدوں کا لہو دیتے رہیں گے[۱]

مسلمانوں کی محبت اہل بیت خالص اللہ وحدہ کے لیے ہے۔بعثت رسولﷺ سے معاشرہ میں انقلاب برپا ہوا۔ لوگ جہالت و گمراہی کے گڑھوں سے نکل کر روحانیت کی طرف راغب ہوئے ۔ مسلمانوں کا عقیدہ ہے کہ اللہ کے ذکر کے ساتھ آقا دو جہاں کا ذکر ہونا ایمان کے لیے ضروری ہے۔ شب معراج کا واقعہ ہمارے ایمان کا حصہ ہے۔ اس رات آپﷺ اللہ تعالیٰ سے ہم کلام ہوئے اور نمازوں کا تحفہ لائے اس کو انہوں نے اپنی نظم ''معراج خاتم النبیینﷺ'' مینیوں بیان کرتے ہیں:

جمال عشق سے سوبار باوضو ہو کر
حضورِر پاک کا احساس دل میں آیا ہے
میں اور ذکر محمدؐ! مری زبان چومو!
کرم خدا کا مجھے اس مکاں پہ لایا ہے
بحفظِ قادرِ مطلق زمیں سے تابفلک
بجسم و روح گئے آپؐ ، کچھ عجب نہیں
بشر ہے نورِ خدا کی شعاع بے پایاں
یہ اور بات کہ ہر اک کو یہ نصیب نہیں[۲]

۲۳ مارچ ۱۹۴۰ء کا دن پاکستانی کی تاریخ میں سنگ میل کی حیثیت رکھتا ہے۔ اسی نسبت سے اس کو ہر سال منایا جاتا ہے اور اس دن نئے عزم کا اظہار کیا جاتا ہے پرانی غلطیوں کے ازالہ کا ارادہ کیا جاتا ہے۔ اسی قسم کا ایک اظہار طفیل دارا نے اپنی نظم ''آج نہیں توکل سہی'' میں کرتے ہیں۔ ایک جگہ حب الوطنی اور یک جہتی کی بات ان الفاظ میں کرتے ہیں:

سب کے جسموں کے لیے ہے مری اک روح رواں
کسی مسجد سے اٹھی ہوگی مگر ایک اذان
میں ہوں سورج مری پرتاب شعاعیں تم ہو
میں ہوں گر لفظ اجابت تو دعائیں تم ہو
دن کی کوشش مری شب خیزی کی آہیں تم ہو
جن پر چل کر مجھے مرنا ہے وہ راہیں تم ہو[۳]

''نگارِ وفا'' یاد، صبح، آزادی، گلاب، دست، روح، قندیل، چمن، خون وغیرہ کے ہمراہ یوسفؑ کی تلمیح استعمال کی ہے کیونکہ واقعہ یوسف و زلیخا میں ہماری تاریخی ثقافت پنہاں ہے۔ اس نظم میں انہوں نے بڑی خوبصورتی سے اقدرا کی ایک چین ترتیب دی ہے اور وہ شہیدان ملت کو خراج عقیدت پیش کرتے دیکھائی دیتے ہیں۔ اس کے ساتھ نئے امکانات کی نوید بھی سناتے ہیں اور دعائیہ انداز اختیار کرتے ہوئے کہتے ہیں جس سے ہمت وحوصلہ بڑھتا ہے اور بہادری کی خو پیدا ہونے کی صورت دیکھائی دیتی ہے۔ نگارِ وفا میں اس کی ایک جھلک یوں ہے :

تمہاریاد میں پنہاں ہے آرزوئے کمال
تمہاری دید سے ابھرے گی صبح آزادی

تمہاری بزم میں روشن رہیں وہ قندیلیں
جنھیں بجھانہ سکیں بادِ تند کی لپکیں[۵]

دور جدید میں فن مصوری کو بہت اہمیت حاصل ہے جس کے ذریعے۔ معاشرے اور ماحول کی عکاسی کی جاتی ہے بلکہ معاشرہ کی محاکمہ نگاری سے لوگوں کی بھر پور توجہ حاصل کر لیتی ہے۔ طفیل دارا نے ''ماڈل کی قیمت'' میں ابن مانی کے فن پاروں کے حوالے سے تصاویر کی بات کی ہے۔ جس میں سے ایک پینٹنگ کا سلوگن سے ایک سپاہی کو دھرتی کا جیالا دکھایا گیا ہے جبکہ دوسری میں بھکاریوں کے حوالے سے طنز کیا گیا ہے۔وہ لکھتے ہیں :

اس تصویر میں ایک سپاہی
سرحد کے دروازے سے اوپر
رائفل تھامے سینہ تانے

استادہ ہے ایسی ایک چٹان کی صورت

اس تصویر کے پاس لکھا ہے
ایک سپاہی ایک جیالا
سوہنی دھرتی کا رکھوالہ(۶)

نظام کائنات کارواں دواں ہونا کسی فرد کے ہاتھ میں نہیں ہے۔ اس کو وجود میں لانے سے اس کے انجام تک کے اعمال وافعال اللہ تعالیٰ وحدہ لاشریک کے ہاتھ میں ہیں۔ جس نے انسانوں کی تربیت کے لیے پیغمبروں اور رسولوں کو مبعوث کیا۔ اس کائنات کو تخلیق کرنے کے بعد اس کا انتظام و انتصرام چلانے کے لیے بہت سے نظام ترتیب دیئے جن میں نظام شمسی کو مرکزیت حاصل ہے۔ یہ ہمارا معاشرتی و تہذیبی پہلو ہے۔ سائنسی اور باقی ادیان کی فکر اس سے جدا ہے ۔

مقدر، اینٹ، نمک، عطر، مسیحائی، آنگن، گاشن، ابو، سوئیٹر، آب حیات، درویش، قمیض، قرآن، بہار خزاں ثناخواں، رقص، پیڑ، جیسی اہم ثقافتی تراکیب کو بڑے خوبصورت الفاظ میں بیان کیا ہے۔ ان کی نظموں میں پاکستانی معاشرہ پروان چڑھتا نظر آتا ہے اوروہ بات کو بڑے سادہ اور دلکش الفاظ میں ادا کرنے پر ملکہ رکھتے ہیں اور یوں محسوس ہوتا ہے جیسے انسان خود کلامی سے کام لے رہا ہے۔

عبدالوحید کی نظموں مینبھی ثقافت کو مدنظر رکھا گیا ان کی زبان سادہ سلیس اور بیان بڑا واضح ہے۔ جس سے ان کا گہرا معاشرتی شغف نظر آتا ہے ان کی نظموں کی تفصیل کچھ یوں ہے دعا، گل لالہ، انمو ل سودا،انتظار، سلگتی آگ، فرزند پاکستان،جینا سکھادیاہے، بسم اللہ الرحمن الرحیم، سلامی، شہید، سبز پرچم کی قسم، کائنات، ہجوم بے کراں، تو خوب ہے، گلاب چہکے، کون جیتا کون ہارا اور کھلوناہیں ان نظموں میں پاکستانی معاشرتی جہات کا احاط کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ انسان جتنے بھی جتن کرلے لیکن ہوتا وہی ہے جو منظور خداہو اس لیے انسان اپنے مالک وخالق سے مانگتا ہے کہ میرامقدر ونصیب اچھا ہو ۔میں باحیا اور سخی بن جاؤں اور مجھے تیرا کرم اور رحم نصیب ہو اللہ مجھے صحت وتندرستی عطافرما اور علم کی روشنی عطا فرما ئے(آمین)

قسمت نصیب کا تعین اللہ نے اپنے عالم الغیب ہونے پر کیا ہوا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کی چابی اپنے ہاتھ میں رکھی ہوئی ہے۔ اللہ اور اس کے حبیبﷺ نے دعا مانگنے کی بار بار تلقین کی ہے۔ مسلمان ہونے کے ناطے ہم ہر کام کا آغاز بسم اللہ سے کرتے ہیں اور یہ ہمارا عقیدہ ہے کہ اس سے اللہ تعالیٰ برکت عطا فرماتے ہیں اور رحمت کا باعث ہے۔ اسی نسبت سے بہت سی رسموں کو بسم اللہ کا نام دیا گیا ہے۔ جب کوئی بچہ بولنا شروع کرتا ہے تو اس کی باقاعدہ تعلیم کو شروع کرنے کے لیے بھی بسم اللہ کی رسم ادا کی جاتی ہے۔ یعنی ہر کام کی کنجی بسم اللہ جیسا کہ وہ لکھتے ہیں:

ہرکام
کا آغاز
کرتے وقت
رحیم
کریم
شفیق
خداکا
نام لیناہے
رحمت کا باعث(۷)

اسلامی تعلیمات کا عکس معاشرے میں واضح نظر آتا ہے توکل اللہ بہت بڑی ایمانی خوبی ہے۔ جب بندہ اللہ پر بھروسہ کرتا ہے۔ تو پھر کام میں آسانی پیدا ہو جاتی ہے۔ دنیا کی بے ثباتی سے کسی کو بھی انکار نہیں ہو سکتا۔لوگ آتے اور چلے جاتے ہیں اور روزِ محشر اکٹھے کیے جائیں۔ یہ دنیا ایک عارضی قیام گاہ ہے جہاں انسان کی حیثیت ایک کھلونے کی سی ہے ۔ بندے کو اپنی

حیثیت پہچان لینی چاہیے اور زندگی کو اللہ کی مرضی کے مطابق گزارنا چاہیے۔عبدالوحید لکھتے ہیں:

او بندے تو ہے ایک کھلونا
او بندے تو ہے ایک کھلونا
ڈور اسی کے ہاتھ میں تیری
چل نہ سکے گی مرضی تیری
بن جائے گا راکھ کی ڈھیری
مت کرنا کوئی ہیرا پھیری(۸)

قوم کی بقا کا انحصار جذبہ قربانی پر ہوتا ہے۔ شہید اپنی جان پر کھیل کر اس کی ہستی کا سامان کر جاتے ہیں اور اللہ کی راہ میں جان قربان کرنے والے کو شہید کہتے ہیں جس کا خون بڑا مقدس ہوتاہے۔ اللہ تعالیٰ کی ذات پاک بھی اس کی شان بڑھاتی ہے لیکن بہت سے لوگ اس بات کا ادراک کرنے سے قاصر ہیں:

ہزاروں پھول دھرتی پر
شہیدوں کے رواں خون سے کھلیں گے
اور یقین ہے
پھر سلیں گے
پیر ہن
کشمیر کے
جتنے دریدہ ہیں(۹)

ارضِ پاکستان شہیدوں کے لہو کا خراج ہے۔ اس ارض مقدس پر جتنی رونقیں ہیں سب شہیدوں کی بدولت ہیں۔ انہوں نے اس کے حصول اور بقا کی خاطر اپنی جانوں کا نذرانہ اللہ کی راہ میں پیش کیا ہے۔ نظم '' سلامی'' مینعبدالوحید شہیدان وطن کو خراج تحسین ان الفاظ میں پیشکرتے ہیں:

شہیدان وطن
تم کو
عقیدت سے
محبت سے
سلامی
پیش کرتاہوں(۱۰)

زندہ قوموں کی طرح محسنین قوم کو خراجِ تحسین پیش کیا جا رہا ہے۔ پاکستانی باضمیر اور با اصول ہیں۔ عبدالوحید قوم کی ترجمانی کرتے ہوئے شہیدانِ وطن کو محبت اور عقیدت سے ان کی قربانیوں اور کارناموں کو سراہتے ہوئے انہیں سلام محبت پیش کرتے ہیں۔ اس سے قوم کو اعتماد اور بھروسہ ملتا ہے اور یقین کی قوت سے مالا مال ہو جاتی ہے۔ پرچم قوموں کی عظمت کا نشان ہوتا ہے۔ ہمارا قومی پرچم ہماری شان وشوکت کا مظہر ہے۔ عبدالوحید رقم طراز ہیں:

سبز پرچم کی قسم
اے! ارض وطن
تری حرمت پہ کبھی
آنچ نہ آنے دیں گے

پھر بھی
بھولے سے کبھی
ہاتھ --- کسی دشمن کا
اس پہ اٹھا جو کبھی(۱۱)

غیرت مند اور بہادر قومیں جان کی بازی لگا کر بھی اپنے پرچم کی عظمت پر حرف نہیں آنے دیتیں۔ نغمانہ کنول الفاظ میں اپنائیت اور چاہت کی جھلک ہے۔ وہ روایت کے ساتھ ساتھ جدت کی بھر پور ترجمانی کرتی نظر آتی ہیں۔ ان کی نظموں میں پاکستانی ثقافت کے عناصر جابجا اپنی جھلک دکھاتے ہیں۔

معاشرہ کاہلی و سستی کی بجائے مفید اور کار آمد افرادی قوت سے مالا مال ہو جاتا ہے۔ ’’بچپن کی عید‘‘ میں پورا پاکستانی معاشرہ پھلتا پھولتا نظر آتا ہے۔ نغمانہ بچپن کییادیں بیان کرتی ہیں۔ اس میں محبت، مہک، خواب، کپڑے، عید، سویاں، میلا، چوڑیاں، آئینہ، مہندی، گڑیا، گھر، امبیاں کے ساتھ ساتھ ماں، خالہ، ماموں، آپی اور بھیا جیسے پیارے پیارے رشتے نمایاں کیے ہیں۔ درج ذیل نظم دیکھیے:

نئے کپڑے پہن کر صبحدم اترائے سے پھرنا
پھر عیدی کی لگن میں دل کو دھڑکائے ہوئے پھرنا
وہ اپنی ماں کے ہاتھوں سے سویاں عید کی کھانا
وہ انگلی تھام کر بابا کی میلہ دیکھنے جانا

کبھی مہندی لگے ہاتھوں سے گڑیا کا بدن دھونا
کبھی عیدی کے پیسے گن کے رکھنا اور خوش ہونا
کبھی ہمسائے کے گھر سے غبارے لوٹ کر لانا
کبھی سکھیوں کی سنگت میں چرا کر امبیاں کھانا(۱۲)

عید خوشی و مسرت بھرا تہوار ہوتا ہے اور لوگ اپنے پرائے کا فرق بھول کر ایک دوسرے کو گلے ملتے ہیں۔ رنجشیں اور لڑائیاں بھول کر صلح جوئی کو فروغ دیتے ہیں۔اس کے مناظرگھر سے لے کر معاشرے کے تمام اداروں میں اور ایک فرد کی زیست سے لے کر معاشرتی زندگی میں دیکھے جا سکتے ہیں۔

موسمی تغیرات سے جذبات میں نشیب و فراز رونما ہوتے ہیں۔ اسی طرح زندگی لمحہ بہ لمحہ اپنے رنگ بدلتی ہے۔ ’’ذکر سبحان تعالیٰ‘‘ میںپاکستانی ماحول و معاشرہ پیش کیا جارہا ہے۔ ان کی نظم سے اقتباس ملاحظہ کرتے ہیں:

کھلے موسم گھنے ساون، دھڑکتے چاند اور سورج
تری جلوہ کشائی کی طلب میں مسکراتے ہیں
زمیں سر کو جھکاتی ہے ترے سجدوں کی حرمت میں
فلک، جھرنے، سمندر، پیڑ، پنچھی حمد گاتے ہیں
شہنشہ ہو گدا ہو سب ترے محتاج ہیں خالق
گل و گلزار جن و انس تجھ سے رزق پاتے ہیں(۱۳)

ثقافت کا وجود معاشرہ کے بغیر ممکن نہیں ہے اور شاعری معاشرتی ترجمان ہے۔ ’’ذکر سبحان تعالیٰ‘‘ میں پوری تہذیب نظرآتی ہے۔ ’’ماں‘‘ اور ’’ماں کو رونا پڑتا تھا‘‘ میں ماں کی ہستی کو سامنے رکھا گیا ہے۔ یہ ایک ایسی شخصیت ہے۔ جو اپنے اندر ایک ادارے کو سموئے ہوئے ہے۔ وہ مرکر بھی سکون اور راحت کا ذریعہ بنتی ہے جب انسان دکھوں اور مصیبتوں کا شکار ہو جاتا ہے تو پھر وہ اپنی ماں کی قبر پر جا کر سکون اور اطمانیت حاصل کرتا ہے۔ اس منظر کو یوں بیان کرتی ہیں:

جب میں اپنی ماں سے ملنے جاتی ہوں
بے بس ہو کر گھنٹوں بیٹھی رہتی ہوں
مٹی کی ڈھیری سے خود کو لپٹا کر
ماں سے دل کے دکھڑے کہتی رہتی ہوں

اس کے بس میں ہو تو باہر آجائے

میری دھوپ پر سایہ ہو کر چھا جائے
اس کا بس ہو میرے بدلے گن کر لے
اس کا بس ہو میرے بدلے پھر مر لے(۱۴)

پاکستانی معاشرہ میں ماں کو بہت زیادہ پیار بھرا رشتہ تصور کیا جاتا ہے اور اس کی نافرمانی کو گناہ عظیم تصور کیا جاتا ہے۔ شاعرہ ماں کی عظمت بیان کرنے کی سعی کرتی ہیں۔ اپنی دوسری نظم ''ماں کو رونا پڑتا تھا'' میں اس کی شان اور مقام و مرتبہ کو مزید اجاگر کرتی ہیں۔ ماں کی طرف سے دی جانے والی قربانیوں کا ذکر بڑے سادے لیکن پر تاثیر انداز میں کرتی ہیں۔ وہ گھر کی مالکہ ہونے کے باوجود اپنے بہت سے حقوق سے دستبردار ہو جاتی ہے۔ وہ تکالیف کو برداشت کر لیتی ہے لیکن اپنے بچوں پر حرف نہیں آنے دیتی۔طفیل دارا اور نغمانہ شیخنے اپنی نظم نگاری میںپاکستانی ثقافت بڑے خوبصورت الفاظ میںاجاگر کی ہے۔ وہ ثقافتی پہلوؤں کو ایک لڑی میں پروتے ہیں۔ حب الوطنی کے جذبات کو حیدرؓ اور بھٹی کی تلمیحات سے نمایاں کرتے ہیںاور اسی طرح عشق رسولﷺ کو بڑے جامع الفاظ میں بیان کرتے ہیں۔ مسجد پاکستانی ثقافت کے آغاز کا سرچشمہ ہے۔ اس کی اہمیت کو مدّ نظر رکھتے ہوئے اس کے تقدس کواجاگرکرتے ہیں۔

طفیل دارا، عبدالوحید اور نغمانہ شیخ نے حقیقی معنوں میں پاکستانی ثقافتی عناصر کو عیاں کیا ہے۔ وہ بڑے خوبصورت الفاظ میں پاکستانی معاشرت کو بیان کرتے ہیں۔ اُن کی نظمیں ثقافت کی حقیقی ترجمان ہیں۔

طفیل دارا، عبدالوحید اور نغمانہ شیخ نے ثقافتی عناصر کو بڑے بھر پور انداز میں بیان کیا ہے۔اور انہوں نے مذہبی پہلوؤں کو اجاگر کرتے وقت رسوم و رواج کی طرف بھرپور توجہ دی ہے۔ زندگی کے تمام معاشرتی پہلوؤں کا جائزہ بڑے انہماک سے لیتے ہیں۔ روحانی اوراخلاقی پہلوؤں کے ساتھ تمام رشتوں کو بڑی اہمیت دیتے ہیں۔ وہ نظم نگاری کی وساطت سے پاکستانی ثقافت کو بڑے احسن انداز سے اجاگر کرتے ہیں۔

طفیل دارا کی گمنام شہید، شہادت کا سفر، معراج خاتم النبین، آج نہیں تو کل سہی، نگار وفا، یاد صبح اور ماڈل کی قیمت جیسی نظمیں حب الوطنی ثقافت کا اعلیٰ شاہکار ہیں۔ عبدالوحید کی نظم نگاری اعلیٰ ثقافتی اقدار سے مرقع و مسجع ہے۔ وہ ثقافتی عناصر کو موتیوں کی لڑی میں پروتے ہیں اور ثقافتی پہلوؤں کا اظہار نہایت جامع انداز میں کرتے ہیں۔ وہ پاکستانی معاشرہ کو مجسم صورت میں نمایاں کرتے ہیں۔ نغمانہ شیخ ثقافت کی حقیقی تصویریں نظموں کی صورت میں نمایاں کرتی ہیں۔ موسمی کیفیت ثقافت کے ساتھ گہرا تال میل رکھتی ہے۔ ثقافتی عناصر کو فنِ مصوری کے قالب میں ڈھالتی ہیں اور صفحہ قرطاس پر اس طرح بکھیرتی ہیں جس سے اُن کی نظمیں ثقافت کی رنگ برنگی تصاویر نظر آتی ہیں اگر کہا جائے کہ طفیل دارا، عبدالوحید اور نغمانہ شیخ نے حب الوطنی کا مظاہرہ کرتے ہوئے پاکستانی ثقافتی عناصر کو نہایت اعلیٰ معنی و فکری حوالوں سے اجاگر کرنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی تو اس میں مبالغہ نہیں ہوگا۔

حوالہ جات

۱۔ طفیل دارا ،شیشہ فریاد، لاہور جدید ناشرین، جنوری ۱۹۶۹ء،ص۱۰۴۔۱۰۳
۲۔ طفیل دارا،جشن ظلمات لاہور، جدید ناشرین،۱۹۷۵ء، ص ۱۶۔۱۵
۳۔ ایضاً، ص ۴۲۔۴۱
۴۔ ایضاً، ص ۴۹۔۴۸
۵۔ طفیل دارا، شیشہ فریاد،ص ۱۲۰
۶۔ طفیل دارا ، جشن ظلمات ، ص ۲۔۲۰۱
۷۔ عبدالوحید، کائنات لاہور، الحمد پبلی کیشنز، دسمبر ۱۹۹۹ء،ص ۱۱۷
۸۔ ایضاً، ص ۱۳۵
۹۔ ایضاً، ص ۱۲۱
۱۰۔ ایضاً،ص ۱۲۰
۱۱۔ ایضاً، ۱۲۲
۱۲۔ نغمانہ کنول شیخ، جب بارشوں کا موسم تھا، اسلام آباد وداد پبلی کیشنز ۲۰۰۵،ص ۳۷۔۳۶
۱۳۔ ایضاً،ص ۱۰۳
۱۴۔ نغمانہ کنول شیخ، اک تنہا رات جدائی ، ص ۱۳۰